

سپریم کورٹ آف پاکستان
(دائرہ اختیار زیر آرٹیکل (3) 184)

بیچ:

جناب جسٹس جواد الیس خواجہ
جناب جسٹس خلمی عارف حسین

از خود نوٹس نمبر 05/2012

(عدالتی کارروائی پر اثر انداز ہونے کے حوالے سے ملک ریاض حسین اور ڈاکٹر
ارسلان افتخار کے مابین ہونے والے مبینہ کاروباری سمجھوتے پر از خود نوٹس)

عدالتی نوٹس پر: جناب عرفان قادر،
اٹارنی جنرل پاکستان

منجانب ڈاکٹر ارسلان: سردار محمد اسحاق خان، سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ،
ہمراہ ڈاکٹر ارسلان

منجانب ریاض حسین: جناب زاہد حسین بخاری، سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ
ہمراہ راجہ عبدالغفور، ایڈووکیٹ آن ریکارڈ و ملک ریاض حسین

منجانب علی احمد ریاض: سید علی ظفر، ایڈووکیٹ سپریم کورٹ
ہمراہ علی احمد ریاض ملک

منجانب سیکرٹری بحریہ ٹاؤن: ڈاکٹر امجد حسین بخاری، ایڈووکیٹ سپریم کورٹ
(پرائیویٹ) لمیٹڈ و جناب ارشد علی چوہدری، ایڈووکیٹ آن ریکارڈ

تاریخ سماعت: 14 جون 2012ء

فیصلہ

جواد ایس خواجہ، جج: 9 مارچ 2007 کے عہد ساز واقعات کی یاد ہمارے اجتماعی شعور میں ابھی تازہ ہے۔ نو مارچ کے اس تاریخی لمحے کے پانچ سال بعد، یہ عدالت ماضی کی انھی پر چھایوں سے برسرِ پیکار ہے جو تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں، مگر ان پر چھایوں نے شاید کچھ دیر اور منڈلا نہ ہے۔ یہاں ہمارے پیش نظر ایک اہم معاملہ ہے جو میڈیا کے توسط سے منظرِ عام پر اُبھرا۔ اس معاملے میں حق اور سچائی کی تلاش میں یہ از خود نوٹس لیا گیا۔ ذیل میں اس مقدمے کے تفصیلی حقائق بیان کئے گئے ہیں۔ مگر ان حقائق کے بیان سے پہلے ایک نقطہ ملحوظ رہے۔ اگر ہم صرف 2007 اور اس کے بعد ہونے والے واقعات کی اہمیت کا ادراک کر لیں، اور اس ملک کے عوام کے خون، پسینے اور کاوش سے حاصل کردہ کامیابیوں کی حفاظت اور قدر کرنا سیکھ لیں تو بہت سے قومی مسائل کا حل خود ہی نکل آئے گا۔ اس اثناء میں جو انقلاب برپا ہو چکا ہے، اس سے پہلو تہی ممکن نہیں۔

2۔ تین سال پہلے، قومی نوعیت کے ایک اور مقدمے میں، عدالت نے لکھا تھا: ”ہماری تاریخ کے گزشتہ تین سال، عہد ساز رہے ہیں۔ ان ایام کو وہ تاریخی اہمیت دی جانی چاہیئے جو 1947 کے واقعات کو دی جاتی ہے جب یہ ملک قائم ہوا اور 1971 کے واقعات کو، جب یہ ملک دولخت ہوا۔ قومی زندگی میں آئین اور قانون کے کردار کا تعین اسی تاریخی شعور کی روشنی میں ہونا چاہیئے۔ اس عدالت نے آئین کا دفاع کیا ہے اور ان آئین مخالف قوتوں کا سامنا کیا ہے جو آئین کی بالا دستی کو ماننے سے انکاری ہیں“ (ڈاکٹر مبشر حسن ودیگر بنام وفاقِ پاکستان 265 SC 2010 PLD)۔ آج ان الفاظ کی سیاہی کو سوکھے قریباً تین سال اور بیت چکے ہیں۔ ہمیں اس بات پر خوشی ہے کہ پاکستان کے اس آئینی سفر میں ہم ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہوئے۔ آج بھی، ماضی کی طرح، اس عدالت نے آئین کے دفاع کی بھرپور کوشش کی ہے۔

واقعاتی پس منظر:

3۔ اس معاملہ میں از خود نوٹس 05 اور 06 جون 2012ء کی درمیانی شب میں لیا گیا۔ اس کا پیش خیمہ میڈیا پر نشر ہونے والے بعض ٹاک شوز تھے جن میں چند افراد کے غیر قانونی اقدامات کا ذکر تھا۔ ان ٹاک شوز میں پاکستان کی اعلیٰ عدلیہ اور چیف جسٹس آف پاکستان کی ساکھ اور آزادی پر شکوک و شبہات ظاہر کئے گئے۔ جس کی وجہ سے آئینی اداروں پر عوامی

اعتماد کو ٹھیس پہنچی۔ اسی لئے اس معاملے پر از خود نوٹس لینا لازم سمجھا گیا۔ اُن ٹاک شوز کے میزبانوں کو عدالت میں طلب کیا گیا جن کے پروگراموں میں مذکورہ شبہات سامنے آئے تھے۔ 06 اور 07 جون 2012ء کو انہوں نے اپنا زبانی اور تحریری موقف بھی عدالت میں پیش کیا۔ حقائق کی مزید تفصیلات اب ہم انہی کی زبانی بیان کرتے ہیں۔

مبینہ واقعات کی تفصیل سینئر صحافی کامران خان کے بیان سے ابھرتی ہے۔ ہم اس بیان کے کچھ حصے یہاں نقل کئے دیتے ہیں۔ کامران خان نے اپنے بیان میں کہا:

”گزارش ہے کہ میری توجہ اس معاملے کی طرف پہلی بار مئی کے دوسرے ہفتے میں مبذول کروائی گئی۔ یہ اس وقت ہوا جب مجھے ایک گمنام فون کال موصول ہوئی جس میں مجھے بتایا گیا کہ مبینہ طور پر چیف جسٹس آف پاکستان کا بیٹا چند مالدار شہریوں سے مراعات لے رہا ہے جن کے مقدمات سپریم کورٹ میں زیر سماعت ہیں۔ اس واقعے کے دو دن بعد، ایک اور فون کال نے مجھے کہا کہ ڈاکٹر ارسلان افتخار، مشہور پراپرٹی ڈیولپر جناب ملک ریاض حسین، جن کے مقدمات عدالت عظمیٰ میں زیر سماعت ہیں، کو بلیک میل کر رہا ہے۔

اور مجھے یہ بھی بتایا گیا کہ ملک ریاض حسین نے اس معاملے کے دستاویزی ثبوت اکھٹے کر رکھے ہیں۔ اس معاملے کی مزید تفتیش کی خاطر، مئی کے تیسرے ہفتے میں ملک ریاض صاحب سے میری ملاقات ہوئی جس میں انہوں نے اس اطلاع کی تصدیق کی جو مجھے ملی تھی۔ اور کافی اصرار کرنے پر وہ مجھے دستاویزی شواہد دکھانے پر راضی ہو گئے۔ اس کے بعد ایک اور ملاقات میں ملک ریاض صاحب نے مجھے ڈاکٹر ارسلان کی گزشتہ تین برس میں موسم گرما کی چھٹیوں میں لندن کی سیر سے متعلق دستاویزی پلندے (dossiers) دکھائے۔ ان دستاویزات میں ڈاکٹر ارسلان کے دستخط کردہ لندن میں فائیسٹار رہائش گاہوں میں رہائش کے کرائے نامے شامل تھے اور ملک ریاض صاحب اور ان کے لندن میں مقیم رشتہ داروں کے کریڈٹ کارڈ اور بینک اکاؤنٹ میں سے کی گئی ادائیگیوں کی رسیدیں بھی شامل تھیں۔

سفر اور رہائش سے متعلقہ ایسی دستاویزات تھیں جن سے تاثر ملتا تھا کہ ڈاکٹر ارسلان اور ان کی ایک خاتون ہم سفر (جن کا نام مجھے یاد نہیں)، کا خرچ ملک ریاض صاحب اور ان کے رشتہ داروں کے اکائونٹس سے ادا کیا گیا۔ ان دستاویزات سے یہ تاثر بھی ملتا تھا کہ ڈاکٹر ارسلان اور ان کے اہل خانہ نے لندن کی بڑی مہنگی دکانوں پر خریداری کی، اور رقوم کی ادائیگی ملک صاحب کی بیٹی اور داماد کے کریڈٹ کارڈز سے کی گئی۔

حضور والا! ملک ریاض سے اس ملاقات کے اختتام پر میں یہ تاثر لے کر نکلا کہ یا تو وہ انتہا درجے کے فریبی اور جعل ساز ہیں، اور یا خدانخواستہ چیف جسٹس آف پاکستان کے بیٹے نے اپنے عظیم باپ کا نام بیچ ڈالا ہے۔“ (انگریزی سے ترجمہ)

جناب حامد میر، جو کہ ایک ٹی وی اینکر ہیں، انہوں نے یہ بیان دیا:

”31 مئی کی شام ہی میں نے ملک ریاض صاحب کو فون کیا اور ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا۔ رات ساڑھے نو بجے کے قریب میں انہیں اسلام آباد میں ان کی رہائش گاہ پر ملا جہاں ان کا بیٹا علی بھی موجود تھا۔۔۔ ملک ریاض صاحب نے ایک فائل منگوائی جس میں کچھ دستاویزات تھیں۔ تمام دستاویزات فوٹو کاپیاں تھیں اور ملک ریاض صاحب کے بقول ارسلان افتخار نے ان کے بیٹے اور داماد سے خطیر رقم لی۔ ملک ریاض صاحب نے کہا کہ کچھ ویڈیوز بھی موجود ہیں مگر انہوں نے مجھے کوئی ویڈیو نہیں دکھائی۔۔۔“

جناب شاہین صہبائی، اخبار ”دی نیوز“ کے گروپ ایڈیٹر نے 7 جون کو ایک حلفیہ بیان عدالت میں دائر کیا، جس میں انہوں نے ”واشنگٹن بیٹ“ نامی اس پروگرام کی تفصیلات دیں جو انٹرنیٹ پر نشر کیا گیا تھا۔

4۔ از خود نوٹس لئے جانے کے فوراً بعد میڈیا کی دیگر شخصیات کی کچھ تحریریں بھی منظرِ عام پر آئیں۔ ان تمام تحریروں میں ملک ریاض حسین، اور چند صحافیوں کے درمیان ملاقاتوں کا ذکر ملتا ہے۔ مثلاً، از خود نوٹس کے بعد روزنامہ ایکسپریس میں ”کیا چیف جسٹس بھی قصور وار ہیں؟“ کے عنوان سے ایک کالم چھپا۔ اس میں مشہور کالم نویس جاوید

چوہدری نے 02 جون 2012 کی شب ملک ریاض صاحب سے ایسی ہی ایک ملاقات کی تفصیلات دیں۔ انہیں بھی بظاہر ان ہی مبینہ شواہد کا مشاہدہ کرایا گیا جو دیگر صحافیوں کو دکھائے گئے تھے۔ 08 جون 2012ء بروز جمعہ سینئر صحافی انصار عباسی نے ایک خبر روزنامہ ”دی نیوز“ میں شائع کی۔ خبر کا عنوان تھا ”چیف جسٹس کے خلاف کوئی شواہد نہیں: ملک ریاض“۔ اس خبر میں بھی ملک ریاض کے ساتھ ایسی ہی ملاقاتوں کا ذکر ملتا ہے۔ عباسی صاحب نے لکھا ہے: ”راقم الحروف کی گزشتہ چند ہفتوں میں ملک ریاض کے ساتھ پانچ نشستیں ہوئیں۔ مذکورہ کاروباری شخصیت نے راقم الحروف کو اپنی رہائش گاہ پر بلایا تھا اور چیف جسٹس کے بیٹے ڈاکٹر ارسلان افتخار کی مبینہ بدعنوانی کے دستاویزی ثبوت دکھائے تھے۔“

5۔ اس تناظر کے پس منظر میں عدالت نے یہ ضروری سمجھا کہ فریقین کو اپنا تحریری موقف (Concise Statement) عدالت میں دائر کرنے کا حکم دیا جائے۔ 09 جون کو ڈاکٹر ارسلان نے اپنا تحریری موقف دائر کر دیا۔ ملک ریاض حسین نے اپنا تحریری موقف حسب الحکم دائر نہیں کیا۔ ان کے وکیل نے اس بناء پر التوا کی استدعا کی کہ ملک ریاض بیماری کی وجہ سے اپنا جواب نہیں دے پائے۔ ڈاکٹر ارسلان کے فاضل وکیل نے التوا کی درخواست پر اس بناء پر اعتراض کیا کہ ملک ریاض جان بوجھ کر اس معاملے کو طول دے رہے ہیں۔ لیکن عدالت نے بغرض انصاف ملک ریاض کو اپنا جواب دائر کرانے کے لئے مزید مہلت دے دی، تاکہ انصاف کے تقاضے پورے ہو سکیں۔ 12 جون کو ملک ریاض نے اپنا تحریری موقف دائر کیا اور عدالت میں پیش ہوئے۔

تجزیہ:

6۔ ملک ریاض اور ڈاکٹر ارسلان کے تحریری موقف کے ہر پہلو کو یہاں زیر بحث لانا ضروری نہیں۔ چند نکات پر تجزیہ ہی کافی ہے۔ اپنے تحریری موقف میں ملک ریاض نے دو بنیادی معروضات پیش کی ہیں۔ اول یہ کہ اس معاملے کا از خود نوٹس لازم نہ تھا اور آرٹیکل (3) 184 کے تحت یہ مقدمہ قابل سماعت نہیں۔ اُن کا کہنا تھا کہ جو بھی طوفان اب کھڑا ہو چکا ہے، چند دنوں میں اپنے آپ ہی گزر جانا ہے۔ اور یہ بھی کہ اس میں عوامی اہمیت کا کوئی سوال نہیں اُٹھتا۔ یہ استدعا بہت حیران کن اور حقیقت سے بہت دور ہے۔ ابلاغ عامہ میں برپا ہیجان اور آزادیِ عدلیہ سے متعلق ہر لمحہ پھیلتی ہوئی آراء اور افواہوں کا سد باب کرنے کے لئے، یہ از خود نوٹس نہایت ضروری تھا۔ یہ معاملہ مفاد عامہ کا ہے۔ اس میں حقائق تک رسائی کے بنیادی حق کا نفاذ اس نوٹس کے سوا ممکن نہ تھا۔

ملک ریاض کے فاضل وکیل نے یہ استدعا بھی کی کہ سپریم کورٹ کو اس معاملے میں ٹرائل کرنے یا مقدمہ چلانے سے اجتناب کرنا چاہیے، کیونکہ یہ عدالت تفتیشی ادارہ نہیں ہے اور نہ ہی فوج داری اور آئینی ضوابط کے تقاضے پورے کر سکتی ہے۔ یہ استدعا درست ہے۔ عدالت 07 جون 2012ء کے آرڈر (جس کا ذکر ذیل میں ہے) میں اپنا موقف واضح کر چکی ہے۔

7۔ عدالتی نظائر سے ثابت ہے کہ یہ عدالت، خاص طور پر آرٹیکل (3) 184 کے تحت سنے جانے والے مقدمات میں، بعض تفتیشی اختیارات کی حامل بھی ہے۔ لیکن عموماً عدالت اس غیر معمولی اختیار کے استعمال سے اجتناب کرتی ہے۔ ہم اس مقدمے کو ایک مخصوص مقصد کے مدنظر زیرِ سماعت لائے ہیں۔ اور عدالت صرف انہی اختیارات کو استعمال کرے گی جو اس مقصد کے حصول کے لئے ناگزیر ہیں۔ کیونکہ فریقین کے بیانات پہلے ہی ہمارے سامنے آچکے ہیں، اس لئے ہم مزید کارروائی کو لازم نہیں گردانتے۔ ہمارا مقصد تحریری بیانات کے چند حصوں کا جائزہ لینے سے پورا ہو جاتا ہے۔ یعنی بیانات کے وہ حصے جن سے عدلیہ کی آزادی اور ساکھ پر اٹھائے جانے والے اعتراضات کا براہ راست جواب ملتا ہے۔ ذیل میں انہی حصوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ دیگر معروضات پر بحث، اور ان سے اٹھنے والے واقعاتی اور قانونی نوعیت کے سوالات کا بہتر جواب تو مجاز عدالت ضابطہ فوجداری، قانون شہادت اور دیگر متعلقہ قوانین کے مطابق دے گی۔

اپنے تحریری بیان میں ملک صاحب نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ انہوں نے متعدد صحافیوں سے ملاقاتیں کیں اور انہیں ڈاکٹر ارسلان کو مبینہ طور پر دی گئی ادائیگیوں کے دستاویزی شواہد دکھائے۔ ساتھ ہی انہوں نے اس بات کا کھلم کھلا اعتراف بھی کیا کہ آج تک اس عدالت نے انہیں کبھی کوئی بے جا فائدہ نہیں دیا۔ تحریری بیان کے الفاظ کچھ یوں ہیں:

”میں بڑی صراحت سے یہ عرض کرتا ہوں کہ میں سپریم کورٹ، اس کے محترم جج صاحبان، بشمول محترم چیف جسٹس آف پاکستان، کی عزت اور احترام کرتا ہوں۔۔۔[اور] یہ کہ مجھے آج تک اس عدالت سے کوئی بے جا فائدہ (favor) نہیں ملا، باوجود اُن وعدوں اور تسلیوں کے جو ڈاکٹر ارسلان نے مجھے دیے۔“

دورانِ سماعت عدالت نے ملک ریاض سے بار بار سوال کیا کہ کیا وہ اپنے اس تحریری بیان پر قائم ہیں؟ انہوں نے بذریعہ وکیل، بھری عدالت میں اپنے اس بیان کی برملا تائید کی۔

9۔ بڑی حد تک مقدمے کے تصفیے کے لئے یہ بیان ہی کافی ہے۔ جب وہ شخص جس نے ڈاکٹر ارسلان پر بعض الزامات لگائے ہیں، خود یہ اقرار کر رہا ہے کہ یہ عدالت مورد الزام نہیں، تو پھر عدالت کی ساکھ پر اٹھنے والے سوالات خود ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ الغرض یہ کہ وہ فرد جس نے مبینہ طور پر، میڈیا کے بعض حلقوں کے توسط سے، وہ شکوک و شبہات پیدا کئے جو کچھ دنوں سے پاکستان کے عوام کو مضطرب کر رہے ہیں، جب وہ خود ہی معترف ہے کہ اسے عدلیہ سے کوئی غیر قانونی فائدہ نہیں مل سکا اور سپریم کورٹ نے اسے کوئی (favor) نہیں دیا، تو ایسی صورت میں شکوک و شبہات کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

اسی تحریری بیان سے ایک اور حقیقت بھی منکشف ہوتی ہے۔ خود اپنے ہی بیان کے مطابق، ملک ریاض حسین ریاست کی اعلیٰ شخصیات اور ایسے دیگر افراد جن کو وہ با اثر سمجھتے ہیں، اُن کو رشوت دینے میں، یا ایسی کوشش کرنے میں، کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔ 2009 سے اب تک مبینہ طور پر بھاری رقوم رشوت کی نیت سے خرچ کرنے کے اس معیوب فعل کی توجیہ دینے سے عدالت تو قاصر ہے۔ البتہ اس کے پس پردہ ذہنیت کے بارے میں غور و فکر لازم ہے۔ تحریری بیان کے کچھ حوالوں سے ملک ریاض کی سوچ کی جھلک ملتی ہے۔ اس میں انہوں نے کہا ہے کہ تین سال تک ڈاکٹر ارسلان نے اُن سے اور ان کے داماد سے دھوکہ دہی (cheating)، فریب کاری (fraud) اور لوٹ کھسوٹ (extortion) کی۔ اور یوں نیب آرڈیننس اور اینٹی کرپشن ایکٹ کے تحت جرائم کا ارتکاب کیا۔ اس حوالے سے ہم سمجھتے ہیں کہ اگر اس بیان سے کچھ سوالات اٹھتے ہیں تو وہ عدالت کی ساکھ کے بارے میں نہیں بلکہ ملک صاحب سے متعلق ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ماضی میں ملک صاحب کو رقوم کی ادائیگی کے ذریعے غیر قانونی کاوشوں میں کبھی ایسی شکست کا سامنا نہ ہوا ہو۔ اس لئے یہ بھی ممکن ہے کہ انہوں نے کئی سال تک سپریم کورٹ سے اپنے من پسند فیصلے نہ حاصل ہونے کی تعبیریوں کی ہو کہ شاید ان سے پیسے بٹورنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس انداز فکر میں یہ بات شاید انہیں قرین قیاس ہی نہ لگی ہو کہ عدالت تو مقدمات کی سماعت صرف میرٹ پر اور آئین اور قانون کی روشنی میں کر رہی ہے۔ ملک ریاض کی یہ حیران کن منطق، جو ممکن ہے اُن کے لئے اتنی ناقابل فہم نہ ہو، ہماری سوچ سے بالاتر ہے۔ البتہ حضرت حافظ شیرازی کا یہ قول اسے سمجھنے میں مدد دیتا ہے: ”فکر ہر کس بقدر ہمت اوست“، یعنی ہر شخص اپنے ظرف کے مطابق ہی سوچتا ہے۔

دستاویزی شواہد پر ایک سرسری نظر

11۔ ہم نے اُن دستاویزات کا بھی ایک سرسری جائزہ لیا ہے جو ملک ریاض اور ڈاکٹر ارسلان ریکارڈ پر لائے ہیں۔ بیشتر دستاویزات ملک صاحب کے داماد سلمان خان کی ڈاکٹر ارسلان کو دی گئی مالی اور دیگر مراعات سے متعلق ہیں۔ اگر واقعی ہی

اس قسم کا معاملہ ہوا، اور اس کی بنیاد غیر قانونی فائدہ پہنچانے کے وعدوں پر رکھی گئی، تو یقیناً تمام ملوث افراد کو قانون کے مطابق سزا ہونی چاہیے۔ یہاں یہ ضرور بیان کرتے چلیں کہ سلمان خان، جنہوں نے مبینہ طور پر ڈاکٹر ارسلان کو مراعات دیں، خود اُن کی طرف سے کوئی حلفیہ بیان ملک ریاض نے ہمارے سامنے پیش نہیں کیا۔ اس سے قطع نظر، ہم واضح کرنا چاہتے ہیں کہ انصاف کی راہ میں رکاوٹ کی کوئی بھی کوشش ہمارے لئے نہایت تشویش ناک ہے اور اس سے پورے ملک میں رائج نظام انصاف کی بدنامی ہوتی ہے۔ اس لئے انصاف کی راہ میں کوئی بھی رکاوٹ یا رکاوٹ کی کوشش، چاہے وہ ناکام ہی کیوں نہ ہو، قانوناً جرم ہے۔ اور اگر ایک مجاز عدالت میں ایسا جرم ثابت ہو جائے تو اس کے مرتکب کو، چاہے وہ کوئی بھی ہو، قرار واقعی سزا ہونی چاہیے۔ اس سلسلے میں قوانین موجود ہیں، ایسے افعال پر تعزیرات پاکستان کی دفعہ 163، 383، 415، 420، اور نیب آرڈیننس کی دفعہ 9 کا اطلاق ممکن ہے۔ بہر حال، ہمیں اس از خود نوٹس میں ان جرائم کے خدوخال واضح کرنے یا موجودہ حقائق پر ان کے اطلاق کے طریق کار کا تعین کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ کام تفتیشی ادارے اور مجاز عدالت شواہد کی روشنی میں بہتر طور پر کر سکتے ہیں۔ ہم صرف قانون کے اس شعبے کی روح واضح کئے دیتے ہیں۔ یہ قوانین حدیث نبوی ﷺ سے جھلکنے والی اس حکمت ازلی کے ترجمان ہیں جس میں کہا گیا کہ ”الراشی و المرتشی کلاهما فی النار“۔ یعنی رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں جہنمی ہیں۔ پاکستانی قوم نے خود قانون کی بالادستی پر مبنی ایک نظام حکومت اپنایا ہے جو کہ آئین میں درج ہے۔ اب یہ قوم کا حق ہے کہ وہ اس حکمت سماوی کی ایک دنیاوی جھلک دیکھ سکے۔

اس سماعت کا دائرہ کار:

12۔ ملوث افراد کو کیفر کردار تک پہنچانے کی اہمیت اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ یہاں ہمارا مقصد فریقین کے جرم یا ان کی بے گناہی پر، مجاز عدالت میں باقاعدہ اور باضابطہ مقدمہ چلائے بنا، کوئی حکم جاری کرنا نہیں۔ عدالت سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ بغیر قانونی شہادتوں کے فیصلہ صادر کرے گی۔ اسی لئے مورخہ 07 جون 2012ء کے آرڈر میں عدالت نے لکھا تھا: ”ہمارا قطعاً یہ ارادہ نہیں کہ ہم اس معاملے میں ٹرائل چلائیں۔ اگر لازم ہوا تو یہ ٹرائل ایک مجاز عدالت قانون کے تحت چلائے گئی۔ فی الحال، یہ سماعت اس لئے کی جا رہی ہے کہ اس معاملے میں حق تک رسائی ممکن ہو۔“ درحقیقت اس ملک میں رائج نظام انصاف کا بنیادی ستون یہ نظریہ ہے کہ کوئی ملزم چاہے ہمیں کتنا ہی معصوم یا گناہگار دکھائی دے، قانونی ضوابط کی پاسداری (due process of law) کے بغیر سزاوار نہیں ہو سکتا۔ اور جب تک کہ وہ ایک ٹرائل کے ذریعے مجرم ثابت نہیں ہوتا، اسے قانوناً بے گناہ تصور کیا جائے۔ ملک ریاض، ڈاکٹر ارسلان اور سلمان خان کو بھی یہ حق حاصل ہے۔ اب یہ حق ہمارے آئین میں آرٹیکل 10-A کی شکل میں شامل ہو چکا ہے جس میں درج ہے: ”اپنے شہری حقوق اور ذمہ داریوں کے تعین یا اس کے خلاف کسی بھی الزام میں ہر شخص

منصفانہ سماعت اور قانونی حقوق کا مستحق ہو گا۔“

13۔ اس از خود نوٹس کے ذریعے ہمارا مقصد کسی کے جرم یا بے گناہی پر فیصلہ صادر کرنا نہیں۔ ہمارا مقصد تو صرف یہی ہے کہ عوامی نوعیت کے امور پر معلومات تک رسائی کے بنیادی حق کا نفاذ ہو سکے۔ ہماری رائے میں یہ مقصد پورا ہو چکا ہے۔ اس مقدمے میں عوامی نوعیت کا جو مسئلہ سامنے آیا تھا وہ عدلیہ کی آزادی اور ساکھ پر اٹھنے والے سوالات تھے۔ ملک ریاض حسین کا جو بیان اور نقل کیا جا چکا ہے، جو انھوں نے لکھا بھی اور بھری عدالت میں دہرایا بھی، اس سے ان سوالات کا جواب مل جاتا ہے۔ انھوں نے اعتراف کیا ہے کہ وہ، باوجود کوشش کے، عدلیہ سے غیر قانونی فائدے حاصل نہ کر سکے۔ بالفاظِ دیگر جب ملک ریاض جیسا ایک بااثر شخص بھی، باوجود چونتیس کروڑ روپے خرچ کرنے کے، عدالت کی آزادی اور ساکھ پر اثر انداز نہ ہو سکا، تو ثابت ہو جاتا ہے کہ 2007 کے بعد عوام کی جدوجہد کے ثمرات ابھی قائم ہیں۔

میڈیا کا کردار:

14۔ وہ واقعات جو اس از خود نوٹس کا پیش خیمہ ہیں، میڈیا کی اخلاقی اور قانونی ذمہ داریوں کے بارے میں بعض غور طلب سوالات اٹھاتے ہیں۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ کئی روز تک پاکستانی عوام کو اپنی اعلیٰ عدلیہ کی آزادی اور ساکھ کے بارے میں شدید تشویش اور شبہات میں مبتلا رکھا گیا، اور یہ محض ایک ایسے الزام کی بنیاد پر جو بعد میں سراسر بے بنیاد اور جھوٹا نکلا۔ جس کی ملک ریاض نے دورانِ سماعت خود بھی تردید کر دی۔ صحافت کے پیشہ وارانہ تقاضوں میں سے ایک تقاضا یہ ہے کہ صحافی کسی بھی خبر کو نشر کرنے سے پہلے اس کی کماحقہ چھان بین کرے۔ تاکہ افواہوں اور در پردہ سازشوں سے بچا جا سکے۔ خاص طور پر ایسے اہم معاملات میں جو اس وقت عدالت کے روبرو ہیں۔ اگر کسی صحافی کو ایسی خبر مل بھی جائے، تو اخلاق اور پیشہ وارانہ دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی بار بار چھان بین کی جائے۔ میڈیا کی شخصیات کے عدالتی بیانات سے بادی النظر میں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس معاملے میں فرض شناسی کے اعلیٰ معیار نبھائے نہیں گئے۔ اگر ایسا کیا جاتا تو بہت تھوڑی سی کاوش سے ان پر حقیقت عیاں ہو جاتی۔

مزید برآں، ڈاکٹر ارسلان کے انفرادی طرزِ عمل اور عدلیہ کی ساکھ اور آزادی کے مسئلے کو شروع دن سے ہی جدا جدا رکھا جانا چاہیے تھا۔ اگر ایسا کیا جاتا تو اس فرق کو واضح کرنے کے لئے ملک ریاض کے اپنے بیان کی ضرورت نہ پڑتی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر کماحقہ چھان بین اور پیشہ وارانہ ذمہ داری کا مظاہرہ نہ کیا جائے تو ایماندار اور نیک نیت صحافی بھی نادانستہ طور پر غیر قانونی اور غیر آئینی قوتوں کا آلہ کار بن سکتے ہیں۔

15۔ عدالت میں دائر کی گئی دستاویزات میں میرابراہیم رحمان، چیف ایگزیکٹو، جیونیٹ ورک، کا ایک بیان بھی شامل ہے۔ انھوں نے جیونیٹ کے اینکرز کی نیک نیتی کا اعادہ کیا اور یہ استدعا کی کہ اینکرز نے جو بھی کیا، ذمہ دارانہ انداز میں کیا اور عدلیہ کے احترام کی خاطر کیا۔ گروپ کی اخلاقیات کا اعادہ بھی کیا گیا۔ جناب شاہین صہبائی نے بھی ایک حلفیہ بیان دائر کیا جس میں اعتراف کیا گیا ہے کہ پاکستان کے اعلیٰ ترین جج اور اُن کے بیٹے کو بدنام کرنے کی ایک سازش کی جا رہی تھی۔ اُن کے مطابق افتخار محمد چوہدری کو ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کروڑوں روپے کے ایک کاروباری سودے کا طفیلی بتایا گیا تھا۔ صہبائی صاحب کے بیان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس خبر سے متعلقہ دستاویزی ثبوت نہ تو ان کی تحویل میں تھے اور نہ ہی انھوں نے کبھی ان دستاویزات کو دیکھا۔ اس طرح جن ذرائع کا انھوں نے اپنے حلفیہ بیان میں ذکر کیا ہے، ان میں سے کسی کی تحویل میں بھی یہ دستاویزات نہیں تھے۔ مگر اس پیشہ وارانہ کوتاہی کو کوئی اہمیت نہ دی گئی۔ صہبائی صاحب مزید لکھتے ہیں کہ ان کا ”بنیادی مقصد ججوں کو اس سازش کے بارے میں خبردار کرنا تھا“۔ ہم یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ کیا ججوں کو اس سازش کے بارے میں خبردار کرنے کا سب سے اچھا طریقہ اُن کی نظر میں یہی تھا کہ بغیر کوئی دستاویز دیکھے، انٹرنیٹ پر ایک انٹرویو دے دیا جائے اور پھر اسے یوٹیوب کے ذریعے ہر خاص و عام کو مہیا کر دیا جائے۔

16۔ کامران خان کے بیان سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ نہایت سرسری چھان بین سے یہ پتہ لگ سکتا تھا کہ ملک ریاض صاحب کا ڈاکٹر ارسلان سے براہ راست کوئی لین دین نہیں ہوا۔ اسی طرح یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ملک ریاض کے سپریم کورٹ میں زیر سماعت مقدمات اُن کی چھان بین کی قطعاً کوئی کوشش نہیں کی گئی، جن کے من پسند فیصلے کی خاطر ملک ریاض، اپنے ہی بیان کے مطابق، رقوم ادا کرتے رہے۔ ہم اس بات کی وضاحت کرتے چلیں۔ اپنے تحریری موقف کے ساتھ لف کی گئی دستاویزات میں ملک صاحب نے صفحہ 69 پر جس کیس کا سب سے پہلے ذکر کیا ہے، یعنی HRC-10322-P/2009، اُسے دیکھا جائے۔ ملک ریاض کے اپنے الفاظ میں روزنامہ جنگ مورخہ 12 اکتوبر 2009ء میں راجہ ریاست کی اپیل چھپنے پر ازخود نوٹس لیا گیا۔ ملک ریاض کے مطابق، مقدمہ کا موضوع سہالہ میں راجہ فیاض ولد راجہ ریاست کا زمین کے تنازعے پر قتل ہونا ہے۔ HRC-10322-P/2009 کی سرسری چھان بین سے بھی یہ پتہ چل جاتا کہ اس مقدمہ میں قتل کی تحقیقات میں سنگین نااہلی اور انصاف کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کے الزام میں 9 تفتیشی افسر اور 6 ڈی ایس پی آج بھی فوجداری مقدمہ کا سامنا کر رہے ہیں۔ FIA کے مطابق بھی یہی صورت حال ہے۔ پاکستان کے عوام یہ پوچھنے میں حق بجانب ہونگے کہ ماضی قریب میں اُن کی عدلیہ پر سنگین ترین میڈیا جھڑپ شروع کرنے سے پہلے یہ سرسری چھان بین کیوں نہیں کی گئی۔

17۔ انکشافات کی سنگین نوعیت کے متوازی پیشہ وارانہ چھان بین نہ کئے جانے پر تحقیقات کے لئے یہ موقع مناسب نہیں۔ مگر

اتنا کہنا بے جا نہ ہوگا کہ، ہماری رائے میں، کما حقہ چھان بین سے اُس صورت حال سے بچا جاسکتا تھا جس میں عدالت نے 05 اور 06 جون 2012ء کی درمیانی شب خود کو اور قوم کو پایا۔

18۔ پیشہ ورانہ چھان بین کے اس فقدان کی ایک مختصر سی مثال پیش کرتے ہیں۔ ملک ریاض کی طرف سے دائر کئے گئے ان مبینہ دستاویزی شواہد کا ایک دلچسپ پہلو یہ ہے کہ وہ کل مبینہ ادائیگی کے صرف 4.5% کے بارے میں ہیں۔ باقی رقم کی ادائیگی کا کوئی حساب کتاب صفحہ مشل پر نہیں۔ مبینہ طور پر رشوت کی رقم 34 کروڑ روپے کے لگ بھگ ہے، جو دو طریقوں سے ادا کی گئی۔ اولاً، بیرون ملک دوروں میں سہولیات کے ذریعہ، مثلاً ٹکٹ، رہائش، طعام اور تفریح کا خرچ۔ اور ثانیاً، نقد ادائیگی کی شکل میں۔ مبینہ ادائیگیوں کا بڑا حصہ یہی نقد رقم ہیں۔ نیز، بیرون ملک سیاحت پر مبینہ طور پر کل 1.6 کروڑ روپے خرچ کئے گئے جبکہ باقی، یعنی 32.7 کروڑ روپے، نقد ادا کئے گئے۔ ان نقد ادائیگیوں سے متعلق کوئی بھی ثبوت عدالت کو پیش نہیں کئے گئے۔ حتیٰ کہ اس سلسلے میں سلمان خان کا حلفیہ بیان بھی عدالت میں دائر نہیں کیا گیا۔ مزید برآں ان ادائیگیوں کی تاریخوں اور مقامات کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ یہ نقد ادائیگیاں مبینہ طور پر چار قسطوں میں کی گئیں۔ ان میں سب سے بڑی قسط 15.7 کروڑ روپے کی بتائی گئی ہے۔ 15.7 کروڑ یک مشت نقد منتقلی کے لئے بہت بڑی رقم ہے۔ ایسا کیا جانا ناممکن نہیں، مگر اس سے معاملے کی صداقت پر کسی حد تک شبہ ضرور پڑتا ہے۔ کسی بھی پیشہ ورانہ چھان بین میں، چاہے وہ سرسری ہی کیوں نہ ہو، یہ سوال ضرور اٹھایا جانا چاہئے تھا۔ مگر حقیقت حال یہ ہے کہ ہم نے دیکھا کہ بہت سے تجربہ کار اور ذہین لوگوں نے مبینہ رقم کے 5 فیصد سے بھی کم حصے کے مبینہ شواہد کو دیکھ کر پوری کہانی کا اعتبار کر لیا۔

19۔ یاد رہے کہ بالآخر ہر شخص اور ہر ادارہ اپنی عزت اور ساکھ کا خود ہی نگہبان ہے۔ ہم اگر اپنی عزت کی حفاظت نہ کریں، تو پاکستان کے محترم عوام ہم پر انگلیاں اٹھانے میں حق بجانب ہونگے۔ اسی اصول کا اطلاق ہر ادارے پر، بشمول میڈیا کے، ہوتا ہے۔

20۔ آخر میں عدالت یہ واضح کرنا چاہتی ہے کہ اس معاملے کے کچھ روشن پہلو بھی ہیں۔ کھلی عدالت کے شفاف ماحول میں دو متضاد فریقین کو برابر کا حق سماعت دینا ہمارے نظام عدل کا طرہ امتیاز ہے۔ پاکستان کے عوام ہم سے اس شفافیت کا تقاضا کرنے کے حقدار ہیں۔ اس مقدمے کی سماعت میں ہمیں وہ بات ثابت کرنے کا موقع ملا ہے، جو ہم حال ہی میں متعدد اہم مقدمات میں دہرا چکے ہیں، وہ یہ کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں کوئی بھی شخص قانون سے ماورا نہیں۔ ریاست کے اعلیٰ ترین منصب داروں، اور ان کے عزیز و اقارب کو بھی اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے امور کو قانون کے حوالے کریں۔ ہمیں جان لینا چاہئے کہ کوئی شخص کتنا بھی با اثر کیوں نہ ہو، قانون اس سے بالاتر ہے۔ ایک حالیہ مقدمے میں

ہم نے رسول کریم ﷺ کی ایک حدیث نقل کی ہے جو ہم یہاں دہرانا مناسب سمجھتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ”اما بعد، فانما اهلك الناس قبلکم انهم كانوا اذا سرق فيهم الشريف تركوه و اذا سرق فيهم الضعيف اقاموا عليه الحد“ (صحیح بخاری)

(آزاد ترجمہ) ”اے لوگو! تم سے پہلے جو قومیں تباہ ہوئیں، اس کی وجہ یہ تھی کہ جب کوئی بااثر (”شریف“) چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے لیکن جب کمزور (”ضعیف“) چوری کرتا تو اُس پر قانونی سزا لاگو کی جاتی۔“

ان الفاظ میں رسول کریم ﷺ نے ہمیں بدعنوانی اور اقربا پروری کے راستے پر چلنے سے خبردار کیا ہے۔ کیونکہ یہ راستہ قوموں کو تباہی کی طرف لے جاتا ہے۔ قانون کے سامنے برابری کا یہی اصول ہمارے آئین میں سرایت کر گیا ہے اور ہم نے متعدد فیصلوں میں اس کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ ہمیں اس بات پر کوئی شک نہیں کہ سپریم کورٹ قانون کے تحت بلا خوف و طمع فیصلے کرنے سے کترائے گی نہیں۔ آئین اور قانون کے قائم کردہ دیگر ریاستی اداروں کو بھی اپنے اپنے دائرہ ہائے اختیار میں آئین کی بالادستی کو نبھانا چاہیے۔ اور اس معاملے میں فرض شناسی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ تفتیشی اداروں اور عدالتوں کو بھی باور کرانا ضروری ہے کہ وہ اس معاملے میں قانون اور آئین کے سوا کسی بھی تقاضے کو اپنی راہ میں حائل نہ ہونے دیں۔

21۔ آج ہم بطور قوم بلاشبہ ایک دور ہے پر کھڑے ہیں۔ مگر یہ عدالت، کم از کم 9 مارچ 2007 کے بعد سے، ایک ہی راستے کو اختیار کئے ہوئے ہے اور وہ راستہ آئین اور قانون کا راستہ ہے۔ ”ظلم و ستم کسے خلاف عوام کی انتھک جدوجہد“ کے نتیجے میں حاصل ہونے والے ثمرات کی حفاظت صرف اسی طرح ہو سکتی ہے۔ یہی وہ راستہ ہے جس پر چلنے کی آئین اپنے ابتدائیہ میں ریاست کے تمام اداروں کو تلقین کرتا ہے۔ اگر ہم اس سفر میں ناکام ہو گئے تو ہم 9 مارچ 2007 سے پہلے کی صورت حال کو لوٹ جائینگے۔ ہماری آئینی تاریخ کے ان عہد ساز واقعات کی اہمیت شاید کسی اور کے شعور سے محو ہو گئی ہو، مگر اس عدالت کے ذہن میں وہ واقعات اب بھی تازہ ہیں۔ اس معرکہ حق و باطل کے بغیر نجات کسی کو بھی میسر نہ تھی۔

22۔ اوپر بیان کی گئی وجوہات کی بناء پر یہ از خود مقدمہ اپنے انجام کو پہنچتا ہے۔ مگر فاضل اٹارنی جنرل، جنھوں نے سماعت کے دوران عدالت کی معاونت کی، اس مقدمے کے تمام حقائق سے بخوبی واقف ہیں۔ ہماری یہ قوی توقع ہے کہ وہ سرکار کے تمام اداروں کو حرکت میں لائینگے تاکہ وہ تمام افراد جن سے غیر قانونی عمل سرزد ہوئے، چاہے وہ ملک ریاض حسین یا ڈاکٹر ارسلان یا سلمان خان ہوں یا کوئی اور، ان کی پکڑ ممکن ہو اور انھیں قانون کے آہنی ہاتھوں سے کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔

23۔ بعض حلقوں نے اس از خود نوٹس کا سبب بننے والے واقعات کو سراسر شر گردانا ہے۔ مگر عدالت اس بارے میں شروع دن سے ہی پُر اعتماد رہی ہے کہ بالآخر اس صورت حال سے خیر اور ایک صُبح روشن نمودار ہوگی۔ مژدہ ایام سعید سنانے والے حکیم شیراز حافظ کے کچھ اشعار اس نوید کی تصدیق کرتے ہیں:

رسید مژدہ کہ ایامِ غم نخواہد ماند
چناں نماند و چینیں نیز ہم نخواہد ماند
(خوشخبری پہنچی ہے کہ غم کے دن نہیں رہیں گے۔ وہ دن بھی نہیں رہے اور یہ بھی نہیں رہیں گے۔)

توانگر! دلِ درویشِ خود بہ دست آور
کہ مخزنِ زر و گنج و دم نخواہد ماند
(اے دولت مند! اپنے درویش کا دل جیت لے۔ کہ سونے اور درہم و دینار کے خزانے نہیں رہیں گے۔)

سحر، کرشمہ، صُحُم بشارتی خوش داد
کہ کس ہمیشہ گرفتارِ غم نخواہد ماند
(سحر کے وقت صبح کے کرشمے نے خوش خبری دی۔ کہ کوئی ہمیشہ غم میں گرفتار نہیں رہے گا۔)

زِ مہربانیِ جاناں طمعِ مبرِ حافظ
کہ نقشِ جور و نشانِ ستم نخواہد ماند
(حافظ! محبوب کی مہربانی کی امید نہ چھوڑو۔ کیوں کہ ظلم و ستم کا نشان بھی باقی نہیں رہے گا۔)